ماہنامہ السنۃ، جہلم   شمارہ نمبر ۳۵

شوال ۱۴۳۲ھ، بمطابق ستمبر ۲۰۱۱ء

عقیدہ نمبر ⑩ : دلیل ①: اعشیٰ مازنی رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی کی جس کی ابتدا اس مصرع سے تھی: ؎ **یا مالک الناس و دیّان العرب** ''اے تمام آدمیوں کے سردار اور اے عرب کے جزا و سزا دینے والے۔'' نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرما دی۔''(زوائد مسند الامام احمد : ۲۰۱/۲)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس میں صدقہ بن طیسلہ اور معن بن ثعلبہ مازنی دونوں راوی ''مجہول الحال'' ہیں، سوائے امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔عقائد کے متعلق مجہول راویوں کی روایات پر اعتماد کرنا اہل بدعت ہی کی شان ہے۔

اسی طرح زوائد مسند الامام احمد (۲۰۲/۲) میں **یا سیّد الناس و دیّان العرب** کے الفاظ بھی آتے ہیں، سند یہ ہے: **أبو سلمة عبید بن عبد الرحمان الحنفيّ : حدّثني الجنید بن أمین بن ذروة بن نضلة بن طریف بن بهصل الحرمازی : حدّثني أبی أمین بن زروة عن أبیه ذروة بن نضلة عن أبیه نضلة بن طریف ...**

اس سند میں لگا تار چار مجہول راوی موجود ہیں۔حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فیه جماعة لم أعرفهم . ''اس سند میں راویوں کا پورا ایک گروہ ایسا ہے جن کو میں نہیں جانتا۔''(مجمع الزوائد للهیثمی : ۲۰۲/۲)

دلیل نمبر ②: حارث بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی :

ابعث معی من یدعو إلی دینک فأنا لمجار . ''میرے ساتھ کسی شخص کو بھیجیں جو میری قوم کو آپ کے دین کی دعوت دے اور وہ میری پناہ میں ہوگا۔۔۔''

(معجم ابن الاعرابی : ۱٦٦٤، تاریخ ابن عساکر : ۴۱۲/۱۲)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں ابو عثمان سعید الضریر البصری کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

دلیل نمبر③ : سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے :

إنّه کان یضرب غلامه ، فجعل یقول : أعوذ باللّٰه ، قال : فجعل یضربه ، فقال : أعوذ برسول اللّٰه ، فترکه ، فقال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : واللّٰه ، للّٰه أقدر علیک منک علیه ، قال : فأعتقه . ''وہ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے۔ وہ کہنے لگا : میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ وہ مارتے رہے۔ اس نے کہا : میں اللہ کے رسول کی پناہ میں آتا ہوں، اس پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تم اس غلام پر قادر ہو۔ انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔''(صحیح مسلم : ۱٦٥۹)

تبصرہ : صحیح مسلم ہی میں ہے کہ اس موقع پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے تھے، اس لیے غلام نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہہ دیا کہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر احترام میں سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو چھوڑ دیا۔علمائے حق کہتے ہیں کہ :

وإن استعاذ بالمخلوق الحیّ الحاضر فیما یقدر علیه فجائز .

''اگر کوئی شخص کسی زندہ اور حاضر مخلوق کی پناہ اس بارے میں مانگے جس پر وہ قادر بھی ہو تو یہ جائز ہے۔'' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے:

((فمن وجد ملجأ أو معاذا فليعذ به)) ''جو شخص کوئی پناہ پائے ، اس میں آ جائے۔''(صحیح البخاری : ۷۰۸۲، صحیح مسلم : ۲۸۸٦)

جناب احمد رضا خان بریلوی اس حدیث سے اپنا باطل عقیدہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''الحمدللہ! اس حدیث صحیح کے تیور دیکھیے، حیا ہو تو وہابیت کو ڈوب مرنے کی بھی جگہ نہیں۔ یہ حدیث تو خدا جانے بیمار دلوں پر کیا کیا قیامتیں توڑے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی دوہائی دنیا میں ان کی دوہائی مچانے کو بہت تھی نہ کہ وہ بھی یوں کہ سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل کی دوہائی دیتا رہا، میں نے نہ چھوڑا ، جب نبی کریم ﷺ کی دوہائی دی ،فوراً چھوڑ دیا۔''(الامن والعلی از احمد رضا خان بریلوی : ص ۹۲)

اگر کوئی بریلوی ہوش میں ہو تو بتائے کہ دوہائی کی بات کہاں سے آئی؟ بات تو پناہ کی ہو رہی ہے اور وہ بھی زندہ اور حاضر شخص کی پناہ کی۔ اس سے بدعتی دوہائی کا ثبوت کہاں؟

دلیل نمبر④ : امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

بينا رجل يضرب غلاما له ، وهو يقول : أعوذ بالله ، إذ بصر برسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقال : أعوذ برسول الله ...

''ایک صاحب اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اتنے میں غلام نے نبی کریم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا۔ کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آتا ہوں۔ فوراً اس صاحب نے کوڑا ہاتھ میں دیا اور غلام کو چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم ! اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی پناہ دینے والے کو پناہ دی جائے۔ اس صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! وہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔''

(مصنف عبد الرزاق : ۹/٤٤٥۔٤٤٦، ح : ۱۷۹۵۷)

تبصرہ : یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے کیونکہ :

① اس کا راوی عمرو بن عبید ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔

② یہ امام حسن بصری کی ''مرسل'' روایت ہے۔ وہ براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔

③ اس میں امام عبدالرزاق اور امام سفیان بن عیینہ دونوں ''مدلس'' ہیں اور بصیغۂ عن روایت کر رہے ہیں۔

اس جھوٹی روایت پر اپنے عقیدے کی بنیاد ڈالتے ہوئے جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: ''الحمدللہ! اس حدیث نے تو اور بھی پانی سر سے تیر کر دیا۔ صاف تصریح فرما دی کہ حضور اقدس ﷺ نے غلام کی دونوں دوہائیاں بھی سنیں اور پہلی دوہائی پر ان کا نہ رُکنا اور دوسری پر فوراً باز رہنا بھی ملاحظہ فرمایا مگر افسوس وہابیت کی ذلت و مردودیت کہ نہ تو حضور اقدس ﷺ اس غلام سے فرماتے ہیں کہ تو مشرک ہو گیا۔ اللہ کے سوا میری دوہائی دیتا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ اللہ عزوجل کی دوہائی چھوڑ کر۔ نہ آقا اسے ارشاد کرتے ہیں کہ یہ کیسا شرک اکبر، خدا کی دوہائی کی وہ بے پرواہی اور میری دوہائی پر یہ نظر۔ ایک تو میری دوہائی ماننی اور وہ بھی یوں کہ خدا کی دوہائی نہ مان کر۔ افسوس آقا و غلام کو مشرک بنانا درکنار خود جو اس پر راضی ہوئے ہیں، وہ کس مزے کی بات ہے کہ اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے، دوہائی تو اپنی بھی قائم رکھی اور اپنی دوہائی دینے پر پناہ دینی بھی قائم رکھی۔ صرف اتنا ارشاد ہوا کہ خدا کی دوہائی زیادہ ماننے کے قابل تھی۔'' (الامن والعلی: ص ۹۳)

جھوٹ کے بل بوتے پر ''اعلیٰ حضرت'' کی دوہائی بھی آپ نے سنی۔ بات پناہ کی تھی، دوہائی کہاں سے آئی؟ ان تمام احادیث پر ''اعلیٰ حضرت'' صاحب نے یوں شہ سرخی جمائی:

''نبی ﷺ تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔''

سبحان اللہ! کیسے ''مضبوط'' دلائل ہیں اور کیسے نرالے استنباطات ہیں!

❀❀❀❀❀❀

کوئی حدیث قرآن کے مخالف نہیں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اہل اسلام کے نزدیک حدیث بالاتفاق وحی ہے۔کوئی صحیح حدیث قرآن کے معارض و مخالف نہیں بلکہ حدیث قرآنِ کریم کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی صحیح حدیث قرآنِ کریم کے مخالف و معارض نظر آتی ہے تو اس کی اپنی سوچ سمجھ کا قصور ہوتا ہے جیسا کہ کئی قرآنی آیات بظاہر کسی کو ایک دوسرے کے معارض محسوس ہو جاتی ہیں۔لہٰذا حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

مشہور تابعی امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ (٦٦۔١٣١ھ) فرماتے ہیں :

إذا حدثت الرجل بسنّة ، فقال : دعنا من هذا وأجبنا عن القرآن ، فاعلم أنّه ضالّ . ''جب آپ کسی شخص کے سامنے کوئی حدیث بیان کریں اور وہ کہہ دے کہ اسے چھوڑو، ہمیں قرآن سے جواب دو تو سمجھ لو کہ وہ شخص گمراہ ہے۔''

(معرفة علوم الحديث للحاكم : ص ٦٥، وسندهٗ حسنٌ)

عظیم تابعی سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ (م ٩٥ھ) کے بارے میں روایت ہے :

إنّه حدّث يوما بحديث عن النبى صلّى الله عليه وسلّم ، فقال الرجل : فى كتاب ما يخالف هذا ، قال : لا أرانى أحدّثك عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وتعرض فيه بكتاب الله ، كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أعلم بكتاب الله تعالىٰ فيك . ''انہوں نے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہہ دیا: قرآن میں اس کے خلاف بات موجود ہے۔اس پر

انہوں نے فرمایا: میں تجھے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تُو اس کے خلاف اللہ کی کتاب پیش کر رہا ہے! اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کی کتاب کے مندرجات کو تجھ سے بڑھ کر جانتے تھے۔''(مسند الدارمی: ۱/۱۴۵، وسندہٗ صحیحٌ)

رسول اللہ ﷺ کی حدیث، کتاب اللہ کی مراد، تشریح اور بیان ہے، حدیثِ رسول کے بغیر قرآنِ کریم کو سمجھنا ناممکن ہے۔ جیسا کہ:

امام الشام مکحول تابعی رحمہ اللہ (م۱۱۳ھ) فرماتے ہیں: **القرآن أحوج إلى السنّة من السنّة إلى القرآن.** ''قرآنِ کریم (تشریح وتوضیح کے حوالے سے) حدیث کا نسبتاً زیادہ محتاج ہے۔''(السنة لمحمد بن نصر المروزی: ص ۲۸، وسندہٗ صحیحٌ)

امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ (م ۱۲۹ھ) فرماتے ہیں: **السنّة قاضية على القرآن، وليس القرآن بقاض على السنّة.** ''حدیثِ رسول، قرآنِ کریم کے لیے فیصل ہے، قرآنِ کریم حدیث کے لیے فیصل نہیں۔''(مسند الدارمی: ۱/۱۴۵، وسندہٗ حسنٌ، السنّة لمحمد بن نصر المروزی، ص ۲۸، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ۲/۱۹۰، وسندہٗ صحیحٌ)

امام دارمی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب میں اسی قول کے مطابق تبویب کی ہے۔

امام اندلس، علامہ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳ھ) اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: **يريد أنّها تقضى عليه وتبيّن المراد منه.** ''اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث وسنت قرآنِ کریم کا حتمی نتیجہ بیان کرتی ہے اور اس کی مراد واضح کرتی ہے۔''

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ۲/۱۹۱)

اس قول کی مزید تشریح امام اوزاعی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ) کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

إنّ السنّة جاء ت قاضية على الكتاب، ولم يجيء الكتاب قاضيا على

السنّة . ’’سنت قرآنِ کریم کے لیے فیصل بن کر آئی ہے، قرآن اس کے لیے فیصل بن کر نہیں آیا۔‘‘(معرفة علوم الحديث للحاكم : ص ٦٥، وسندهٗ حسنٌ)

ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی شرح ہی اس میں موجود مندرجات کا کوئی حتمی نتیجہ نکال سکتی ہے۔ جو چیز خود وضاحت کی محتاج ہو، وہ اپنی شرح کے لیے فیصل کیسے بن سکتی ہے؟

امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳ھ) فرماتے ہیں :

البيان عن النبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم على ضربين : الأوّل بيان المجمل فى الكتاب العزيز كالصلوات الخمس فى مواقيتها وسجودها وركوعها وسائر أحكامها ، وكبيانه للزكاة وحدها ووقتها وما الذى تؤخذ من الأموال ، وبيان الحجّ ..... الثانى : الزيادة على حكم الكتاب كتحريم نكاح المرأة على عمّتها وخالتها وكتحريم الحمر الأهليّة وكلّ ذى ناب من السباع إلى أشياء يطول ذكرها ..... ’’نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کتاب اللہ کی وضاحت و تشریح دوطرح کی ہے : ایک وہ جو کتاب عزیز میں موجود مجمل بیانات کی توضیح ہے جیسا کہ پانچ نمازوں کے اوقات ، ان کے رکوع و سجود اور دیگر تمام احکام ہیں، نیز زکوٰۃ ، اس کی مقدار ، اس کا وقت اور ان اموال کا بیان جن میں زکوٰۃ فرض ہے ، اسی طرح حج کا بیان ہے۔۔۔۔۔ دوسری قسم کا بیان وہ ہے جو کتاب اللہ سے زائد ہے ، جیسے کسی عورت کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح کے ہوتے ہوئے اس سے بھی نکاح کرنے کی ممانعت اور جیسے گھریلو گدھوں اور ہر ذی ناب درندے کی حرمت کا بیان ہے۔ اسی طرح بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔‘‘(جامع بيان العلم وفضله : ۱۹۰/۲)

فضل بن زیاد کا بیان ہے : **سمعت أبا عبد اللّٰه ، يعنى أحمد بن حنبل ، وسئل عن الحديث الذى روى أنّ السنّة قاضية على الكتاب ، فقال : ما**

أجسر على هذا أن أقوله ، ولكن السنّة تفسير الكتاب وتعرّف الكتاب وتبيّنه .

''میں نے امام ابوعبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو سنا، ان سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا کہ سنت کتاب اللہ کے لیے فیصل ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں ایسا کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا (کیونکہ یہ روایت نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں)، البتہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر ہے جو قرآن کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔''

(الکفایة فی علم الروایة للخطیب : ص ٤٧، وسندهٗ حسنٌ)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م۷۹۰ھ) اس قول کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

إنّ قضاء السنّة على الكتاب ليس بمعنى تقديمها عليه وإطراح الكتاب ، بل إنّ ذلک المعبّر فی السنّة هو المراد فی الكتاب ، فكان السنّة بمنزلة التفسير والشرح لمعانی أحكام الكتاب ، دلّ على ذلک قول اللّٰه تعالى : ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل : ٤٤) . ''حدیث کے کتاب اللہ کے لیے فیصل ہونے سے مراد اس کو مقدم کر کے قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈالنا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا جو معنیٰ سنت و حدیث میں بیان کیا گیا ہے، وہی کتاب اللہ کا حقیقی معنیٰ ہے۔ اس طرح حدیث قرآنِ کریم کی تفسیر اور اس کی شرح ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل : ٤٤)

(تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان کی طرف نازل شدہ وحی کی وضاحت فرما دیں)۔''(الموافقات للشاطبی : ٤/٨٠٧)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹-۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: والحاصل أنّ معنى احتياج القرآن إلى السنّة أنّها مبيّنة له ومفصّلة لمجملاته ، لأنّ فيه لو جازته كنوزا تحتاج إلى من يعرف خفايا خباياها فيبرّزها ، وذلک هو

المنزّل عليه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، وهو معنى كون السنّة قاضية عليه ، وليس القرآن مبيّنا للسنّة ولا قاضيا عليها ، لأنّها مبيّنة بنفسها ، إذا لم تصل إلى حدّ القرآن فى الإعجاز والإيجاز ، لأنّها شرح له ، وشأن الشرح أن يكون أوضح وأبين وأبسط من المشروح .

''الحاصل قرآنِ کریم کے محتاجِ حدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ،قرآنِ مجید کی وضاحت اوراس کے مجملات کی توضیح ہے کیونکہ کلامِ الٰہی میں ایسے خزانے ہیں جن کے مخفی رازوں کی معرفت کے لیے آپ ضرور کسی راہنما کے محتاج ہوں گے اور یہی چیز رسول اللہ ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل کی گئی ہے۔ حدیث کے قرآنِ کریم کے لیے فیصل ہونے کا یہی معنیٰ ہے۔قرآنِ کریم ، حدیث کے لیے فیصل و قاضی نہیں کیونکہ حدیث خود واضح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث فصاحت و بلاغت میں قرآنِ کریم کی ہم پلہ نہیں کیونکہ یہ اس کی شرح ہے اور شرح ہمیشہ اصل سے زیادہ واضح اور مبسوط ہوتی ہے۔''

(مفتاح الجنة فى الاحتجاج بالسنة للسيوطى : ص ٤٤)

اتنی سی وضاحت کے بعد ایک فرمانِ رسول ملاحظہ ہو :

سیدنا مقدام بن معدیکرب الکندی رضی اللہ عنہ (م ۸۷ھ) بیان کرتے ہیں :

إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حرّم أشياء يوم خيبر ، الحمار وغيره ، ثمّ قال : ((ليوشك الرجل متّكئا على أريكته ، يحدّث بحديثى ، فيقول : بينا وبينكم كتاب ، ألا وإنّ ما حرّم رسول اللّٰه ، فهو مثل ما حرّم اللّٰه تعالى .

''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن گھریلو گدھے وغیرہ کو حرام قرار دیا ، پھر فرمایا : عنقریب ایک آدمی اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو گا ، اس کو میری حدیث سنائی جائے گی اور وہ کہے گا : ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی فیصل ہے۔(لیکن) خبردار ! جو چیز اللہ

کے رسول نے حرام کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی طرح ہی حرام ہے۔''

(مسند الامام احمد : ١٣٢/٤، سنن الترمذی : ٢٦٦٤، سنن ابن ماجہ : ١٢، ٣١٩٣، مسند الدارمی : ٦٠٦، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ١٠٩/١، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن غریب'' اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

اس حدیث سے حدیثِ رسول کی تشریعی حیثیت واضح ہوتی ہے جیسا کہ امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ (م۲۹۴ھ) لکھتے ہیں :

إنّ التحلیل والتحریم من اللّٰه یکون علی وجھین : أحدھا أن ینزّل اللّٰه تحریم شیء فی کتابه فیسمّیه قرآنا کقوله : ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ﴾ (المائدة : ٣) ، وما أشبه ذلک ممّا قد حرّمه فی کتابه ، والوجه الآخر أن ینزل علیه وحیا علی لسان جبریل بتحریم شیء أو تحلیله أو افتراضه ، فیسمّیه حکمة ولا یسمّیه قرآنا ، وکلاھما من عند اللّٰه کما قال اللّٰه : ﴿وَأَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾(النساء : ١١٣).

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلت وحرمت کے احکامات دو طریقوں سے آتے ہیں: ایک تو اس طرح کہ کتاب اللہ میں کسی چیز کی حرمت بیان ہو اور اس کا نام قرآن رکھا جائے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ﴾ (المائدة : ٣)

(تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا)۔ اسی طرح وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جبریل کی زبانی کسی چیز کی حرمت یا حلت یا فرضیت نازل ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ قرآن نہیں بلکہ حکمت کا نام دیتا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(النساء : ١١٣)
(اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے)۔''

(السنة لمحمد بن نصر المروزی : ص ١١٥)

اس حدیث پر امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یوں تبویب کی ہے :

باب ما جاء فی التسویة بین حکم کتاب اللّٰه تعالیٰ وحکم سنّة رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی وجوب العمل ولزوم التکلیف .

''ان دلائل کا بیان جن سے ثابت ہوتا ہے کہ واجب العمل ہونے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول دونوں کا حکم برابر اہمیت وحیثیت کا حامل ہے۔''(الکفایة للخطیب : ٢٣)

امام طبری رحمہ اللہ (م ٣١٠ھ) قرآنِ کریم میں مذکور ''حکمت'' کے بارے میں فرماتے ہیں :

الصواب من القول عندنا فی الحکمة أنّها العلم بأحکام اللّٰه التی لا یدرک علمها إلّا ببیان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم والمعرفة بها ... وهو عندی مأخوذ من الحُکم الذی بمعنی الفصل بین الحقّ والباطل بمنزلة الجلسة والقعدة من الجلوس والقعود ، یقال : إنّ فلانا لحکیم بیّن الحکمة ، یُعنیٰ به : إنّه لبیّن الإصابة فی القول والفعل .

''ہمارے خیال میں حکمت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی وہ علم ومعرفت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔۔۔میرے خیال میں یہ 'حکمت'، حُکم بمعنیٰ 'حق و باطل میں فرق' سے ماخوذ ہے جیسا کہ جلسہ اور قعدہ، جلوس اور قعود سے ماخوذ ہیں۔کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص واضح حکمت والا حکیم ہے، اس قول سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ قول وفعل میں واضح طور پر درست رہتا ہے۔''(تفسیر الطبری : ٦٠٨/١، تحت البقرة : ١٢٩)

گم پایا

ابوعبداللہ صارم

طائفہ منصورہ، ائمہ محدثین کے خلاف بعض لوگوں نے قرآن و حدیث کے خلاف یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اس باطل اور انتہائی گمراہ کن عقیدے کے خلاف حدیثی دلائل اختصاراً ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ① : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

فقدتّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لیلة من الفراش ، فالتمسته ...

''ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا اور ان کو تلاش کرنے لگی۔۔۔''

(صحیح مسلم: ۱۹۲/۱، ح: ٤٨٦)

دلیل نمبر ② : سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

أصبح الناس وقد فقدوا نبیّهم ... ''صبح ہوئی تو لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو گم پایا۔۔۔''(صحیح مسلم: ۲۳۹/۱، ح: ٦٨١)

دلیل نمبر ③ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنّا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ذات لیلة ، ففقدناہ ، فالتمسناہ فی الأودیة والشعاب ، فقلنا : استطیر أو اغتیل ، قال : فبتنا بشرّ لیلة بات بها قوم ، فلمّا أصبحنا إذا جاء من قبل حراء ، قال : فقلنا : یا رسول اللّٰہ ! فقدناک ، فطلبناک ، فلم نجدک ، فبتنا بشرّ لیلة بات بها قوم ...

''ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اچانک ہم نے آپ کو گم پایا۔ ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ (شاید) آپ پر جنوں یا

انسانوں نے پراسرار طور پر حملہ کر دیا ہو۔ ہم نے وہ ساری رات سخت ترین پریشانی اور اذیت میں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ غارِ حراء کی جانب سے تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو گم پایا اور تلاش کرتے رہے لیکن آپ کہیں نہ ملے، لہٰذا ہم نے پوری رات سخت ترین پریشانی اور اذیت میں گزاری۔۔۔''

(صحیح مسلم: ١/١٨٤، ح: ٤٥٠)

دلیل نمبر ④ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

افتقدتّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ذات لیلة ، فظننت أنّه ذهب إلی بعض نسائه ، فتحسّست ، ثمّ رجعت ، فإذا هو راکع أو ساجد ، یقول : سبحانک وبحمدک ، لا إله إلّا أنت . ''ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا۔ میں نے سمجھا کہ آپ کسی بیوی کے گھر چلے گئے ہوں گے۔ میں نے تلاش کیا، پھر واپس لوٹی تو آپ ﷺ رکوع یا سجدے میں یہ دعا پڑھ رہے تھے: **سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ** ۔۔۔''(صحیح مسلم: ١/١٩٢، ح: ٤٨٥)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فقد أناسا فی بعض الصلوات ...

''رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں کچھ لوگوں کو گم پایا۔۔۔''(صحیح مسلم: ١/٢٣٢، ح: ٦٥١)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إنّ امرأة سوداء کانت تقمّ المسجد ، أو شابّا ، ففقدها رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فسأل عنها أو عنه ، فقالوا : مات ...

''ایک عورت یا نوجوان کی عادت مسجد میں جھاڑو دینے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اس کی وفات ہو

گئی ہے۔''(صحیح مسلم : ۳۰۹/۱، ح : ۹۵۶)

دلیل نمبر ⑦ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

إنّ النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم افتقد ثابت بن قیس ، فقال رجل : یا رسول اللّٰه ! أنا أعلم لک علمه ، فأتاه فوجده جالسا فی بیته منکسا رأسه ...

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول ! میں آپ کو ان کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں۔ وہ شخص آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔''(صحیح البخاری : ۵۱۰/۱، ح : ۳۶۱۳)

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إنّه لقی النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی طریق من طرق المدینة ، وهو جنب ، فانسلّ ، فذهب ، فاغتسل ، فتفقّده النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فلمّا جاء ہ قال : أین کنت یا أبا هریرة ؟ ... ''وہ مدینہ منورہ کے ایک راستے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ اس وقت وہ جنابت کی حالت میں تھے، لہٰذا چپکے سے کھسک گئے اور جا کر غسل کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تلاش کیا۔ جب وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ابوہریرہ! آپ کہاں تھے؟''(صحیح مسلم : ۱۶۲/۱، ح : ۳۷۱)

دلیل نمبر ⑨ : سیدنا قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا جانا تھا۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی ہوا کرتا تھا۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا : کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ صحابی نے عرض کی : جی ، اللہ کے رسول ! ۔۔۔ **ففقده النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فسأل عنه ، فقالوا : یا رسول اللّٰه ! مات ابنه ...** ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی : اللہ کے رسول ! اس کا بیٹا فوت

ہو گیا ہے۔''(مسند الطیالسی : ص ۱۴۵، مسند الامام احمد : ۴۳۶/۳، سنن النسائی : ۱۸۷۱، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۳۸۴/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۹۴۷) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **هذا حديث صحيح الإسناد .** ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **إسناده صحيح .** ''اس کی سند صحیح ہے۔''(فتح الباری لابن حجر : ۳۶۱/۳)

دلیل نمبر ⑩ : سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

فخرج رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فى غزوة له ، قال : فلمّا أفاء الله عليه قال لأصحابه : هل تفقدون من أحد ؟ قالوا : نفقد فلانا ونفقد فلانا ، قال : انظروا ، هل تفقدون من أحد ؟ قالوا : لا ، قال : لكنّى أفقد جلبيبا ، قال : فاطلبوه فى القتلى ، قال : فطلبوه ، فوجدوه إلى جنب سبعة قد قتلهم ، ثم قتلوه .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں نکلے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ غنیمت عطا کیا تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم کسی کو گم پاتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی : ہم فلاں اور فلاں کو گم پاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو، کیا کسی اور کو بھی گم پاتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی : نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں تو جلیبیب کو گم پاتا ہوں۔ انہیں مقتولین میں تلاش کرو۔ صحابہ کرام نے تلاش کیا تو انہیں سات کفار کے پہلو میں پایا جنہیں جلیبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، پھر کفار نے انہیں قتل کر دیا تھا۔''(مسند الامام احمد : ۴۲۲/۴، وسندہٗ صحیحٌ)

تلك عشرة كاملة یہ صحیح احادیث کی صورت میں پورے دس دلائل ہیں۔

ان دلائل سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ میں

بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے۔ آپ ﷺ صحابہ کرام سے اور صحابہ کرام آپ ﷺ سے گم ہو جایا کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو ایسا کیوں ہوتا تھا؟

اس سلسلے میں ایک اور حدیث پیشِ خدمت ہے۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كنت مع النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى سفر ، فقال : يا مغيرة ! خذ الإداوة ، فأخذتها ، فانطلق رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، حتّى توارى عنّى ، فقضى حاجته . ''میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے مغیرہ! (پانی والا) برتن پکڑو۔ میں نے برتن پکڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ چلتے گئے حتی کہ مجھ سے چھپ گئے اور قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔''

(صحيح البخاری : ۵۲/۱، ح : ۳۶۳، صحيح مسلم : ۱۳۳/۱، ح : ۲۷٤)

کیا جو شخص دوسروں سے اتنا دُور ہو جائے کہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے، وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے؟ عقلی طور پر بھی یہ محال اور ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں کیونکہ ہر جگہ میں تو گندگی اور غلاظت والی جگہیں بھی شامل ہیں، نیز لوگوں کی خلوت گاہیں اور ایسی جگہیں بھی شامل ہیں جن کو ایک عام مسلمان بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ کسی مسلمان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اپنے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہوئے اپنی زندگی کے سارے معاملات کو انجام دے سکے۔ بہت سے جائز معاملات ایسے ہیں کہ ایک مسلمان مر تو سکتا ہے لیکن ان کو کسی دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے بھی انجام نہیں دے سکتا چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے وہ ایسا کرے!!!

قارئین کرام سے ہماری درخواست ہے کہ وہ مذکورہ دلائل کو غور سے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ غلط ہے یا صحیح!!!

❀❀❀❀❀❀❀

امام ابنِ صاعد

ابوسعید سلفی

حدیث کے راویوں کے متعلق علم انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس بارے میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم ، ومعرفة الرجال نصف العلم .** ''آدھا علم حدیث کے معانی میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے اور باقی آدھا علم رجال (راویانِ حدیث) کی معرفت ہے۔''(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی للرامهرمزی : ۳۲۰/۱، الجامع لاخلاق الراوی للخطیب : ۲۱۱/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

اللہ تعالیٰ نے حاملینِ علم روایت کی ایک جماعت پیدا کی ہے جنہوں نے ثقہ وضعیف، ضابط وغیر ضابط میں فرق دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔فنِ رجال علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ ائمہ رجال بڑی تحقیق وتفتیش کے ساتھ راویوں کے بارے میں جرح وتعدیل کرتے تھے جیسا کہ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (۱۹۵۔۲۷۷ھ) فرماتے ہیں : **أنکرت قول یحیی بن معین فیه (یوسف بن خالد السمتی) أنّه زندیق ، حتّی حمل إلی کتاب قد وضعه فی التجهّم بابا بابا ، ینکر المیزان فی القیامة ، فعلمت أنّ یحیی بن معین کان لا یتکلّم إلّا علی بصیرة .** ''میں یوسف بن خالد سمتی راوی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے زندیق کہنے کو شک کی نظر سے دیکھتا رہا حتی کہ میرے سامنے اس شخص کی ایک کتاب پیش کی گئی جو اس نے عقیدۂ جہمیت کے بارے میں ابواب کی صورت میں لکھی تھی۔اس نے روزِ قیامت میزان قائم ہونے کا انکار کیا تھا۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کسی رجال کے بارے میں ہمیشہ علم وبصیرت کے ساتھ کلام کرتے تھے۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۲۲/۹)

تمام ائمہ محدثین کا یہی حال تھا۔ان ائمہ میں سے ایک محدث العراق ، الامام ، الحافظ ،

عالم بالعلل والرجال ، یحییٰ بن محمد بن صاعد ، کاتب ابومحمد الہاشمی البغدادی رحمہ اللہ ہیں۔

ولادت باسعادت : آپ رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۲۲۸ھ کو ہوئی۔

اساتذہ کرام : آپ رحمہ اللہ نے محمد بن سلیمان بن لُوَیْنا، احمد بن منیع البغوی، ابراہیم بن سعید الجوہری ، محمد بن مثنّٰی ، ابو ہشام الرفاعی اور امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہم اللہ جیسے کبار محدثین کرام سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ : آپ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔ ان میں عبداللہ بن محمد البغوی، امام دارقطنی ، امام ابن شاہین ، امام طبرانی اور امام ابن عدی رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں۔

توثیق و توصیف : بہت سے ائمہ کرام نے ان کی توثیق کی ہے:

امام خلیلی (الارشاد : ۲/۶۱۱)، امام ابراہیم الحربی (تاریخ اسماء الثقات : ص ۲۳۹) اور امام دارقطنی (سنن الدارقطنی : ۱/ ۳۱۹) رحمہم اللہ نے آپ کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **كان أحد حفّاظ الحديث وممّن عنى به ورحل فى طلبه .** ''آپ رحمہ اللہ حفاظِ حدیث میں سے تھے، نیز آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث کی طلب کا بہت اہتمام کیا اور اس کے لیے سفر بھی کیا۔'' (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی : ۱۴/۲۳۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: **الحافظ ، الإمام ، الثقة .**
''آپ حافظ، امام اور ثقہ تھے۔'' (تذکرة الحفاظ للذہبی : ۲/۷۷۶)

نیز فرماتے ہیں : **وله كلام متين فى الجرح والتعديل والعلل يدلّ على تبحّره وسعة علمه .** ''آپ رحمہ اللہ نے جرح و تعدیل اور علل کے بارے میں بڑی عمدہ وٹھوس کلام کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑے متبحر اور وسیع العلم شخص تھے۔'' (تاریخ الاسلام للذہبی : ۱۳/۵۷۶)

محمد بن نعیم الضبی کہتے ہیں : سمعت أبا علی (الحسین بن علی) الحافظ یقدّم أبا محمد بن صاعد علی أبی القاسم بن منیع وأبی بکر بن داؤد فی الفهم والحفظ . ''میں نے ابوعلی حسین بن علی الحافظ کو سنا، وہ ابومحمد بن صاعد رحمہ اللہ کوفہم اور حفظ میں ابوالقاسم بن منیع اور ابوبکر بن داؤد دونوں پر ترجیح دے رہے تھے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۲۳۱/۱۴، وسندہٗ صحیحٌ)

رحلت علمیہ : آپ رحمہ اللہ نے حصولِ علم کے لیے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین کرام سے اکتسابِ علم کیا۔

فائدہ : ابوبکر الابہری الفقیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے :

کنت عند یحیی بن محمد بن صاعد ، فجاء ته امرأة ، فقالت له : أیّها الشیخ ! ما تقول فی بئر سقطت فیها دجاجة فماتت ، هل الماء طاهر أم نجس؟ فقال یحیی : ویحک ! کیف سقطت الدجاجة فی البئر؟ قالت : لم تکن البئر مغطّاة ، فقال یحیی : ألا غطّیتها حتّی لا یقع فیها شیء؟ قال الأبهریّ : فقلت لها : یا هذه ! إن لم یکن الماء تغیّر فهو طاهر ، ولم یکن عند یحیی من الفقه ما یجیب المرأة . ''میں امام یحییٰ بن محمد بن صاعد رحمہ اللہ کے پاس تھا۔ آپ کے پاس ایک عورت آ کر کہنے لگی : اے شیخ ! آپ اس کنویں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس میں گر کر مرغی مر جائے ، کیا پانی پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا؟ امام صاحب نے فرمایا : تیری بربادی ہو! مرغی کنویں میں کیسے گر گئی ؟ عورت کہنے لگی : کنواں ڈھانپا ہوا نہیں تھا۔ امام یحییٰ (ابنِ صاعد) رحمہ اللہ نے فرمایا : تُو نے اسے ڈھانپ کر کیوں نہ رکھا تاکہ اس میں کوئی چیز نہ گر پاتی ؟ ابہری کہتے ہیں : میں نے اس عورت سے کہا : اے عورت ! اگر پانی (کا رنگ ، بُو یا ذائقہ) نہیں بدلا تو وہ پاک ہے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ کے پاس عورت کو جواب دینے کے لیے فقہ نہ تھی۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۲۳۱/۱۴، وسندہٗ صحیحٌ)

اس واقعے کے متعلق امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

هذا القول تظنّن من الأبهريّ ، وقد كان يحيى ذا محلّ من العلم عظيم ، وله تصانيف في السنن وترتيبها على الأحكام ، يدلّ من وقف عليها وتأمّلها على فقهه ، ولعلّ يحيى لم يجب المرأة لأنّ المسألة فيها خلاف بين أهل العلم ، فتورّع أن يتقلّد قول بعضهم أو كره أن ينصب نفسه للفتيا ، وليس هو من المرتسمين بها ، وأحبّ أن يسئل ذلک إلى الفقهاء المشتهرين بالفتاوى والنظر ، والله أعلم ! ''یہ قول ابہری کا اپنا خیال ہے، ورنہ امام یحییٰ (ابن صاعد) رحمہ اللہ کا علمی مقام بہت بڑا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے حدیث اور ان کی فقہی ترتیب پر بہت سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھنے اور ان میں غور کرنے والے شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ فقیہ شخص تھے۔ شاید آپ رحمہ اللہ نے اس عورت کو جواب اس لیے نہ دیا کہ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف تھا اور انہوں نے اس بارے میں کسی ایک کی رائے کی تقلید کرنا پسند نہ کیا ہو یا اس وجہ سے اپنے آپ کو فتویٰ دینے سے روکا ہو کہ آپ اس سلسلے میں بڑے بڑے معروف لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ اس بارے میں معروف مفتیان اور فقہاء سے سوال کیا جائے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۲۳۱/۱۴)

آپ رحمہ اللہ کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ذكر من يعتمد قوله فى الجرح والتعديل (ان لوگوں کا بیان جن کے جرحی و تعدیلی اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے) میں ذکر کیا ہے۔

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے بھی ان سے جرح و تعدیل کے اقوال نقل کیے ہیں۔

تصانیف : آپ رحمہ اللہ کی تصانیف میں مسند ابی بکر الصدیق اور حدیث عبداللہ بن مسعود کا ذکر ملتا ہے۔

وفات : آپ رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات ۳۱۸ھ میں ہوئی۔ رحمه الله الكريم!
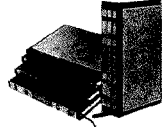
سوال : کیا بیٹے کے فوت ہونے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد باپ اس کی بیوی، یعنی اپنی سابقہ بہو سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب : بیٹے کے فوت ہو جانے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دینے کی صورت میں والد اپنی سابقہ بہو کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنا حرام ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ (النساء : ۲۳)

''اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں)۔''

لہٰذا سسر اپنی بہو کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

سوال : کیا قنوتِ وتر جمع کے صیغے کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب : جی ہاں ! سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قنوتِ وتر کے یہ الفاظ سکھائے تھے : اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ ، وَعَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّنَا فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ ، وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا أَعْطَيْتَ ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ . ''اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل کر کے ہدایت دے جن کو تُو ہدایت دے چکا ہے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کر کے عافیت دے جن کو تُو عافیت دے چکا ہے اور تُو اُن لوگوں میں شامل کر کے ہمارا دوست بن جا جن کا تُو دوست بن چکا ہے اور تُو نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، اس میں برکت دے اور ہمیں اپنے بُرے فیصلے سے بچا لے۔ بلاشبہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے، تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور بلاشبہ جس کا تو دوست

بن جائے ، وہ ذلیل نہیں ہوتا۔تُو بہت برکت اور بہت بلندی والا ہے۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۷۳/۳، ح : ۲۷۰۰، وسندہٗ صحیحٌ)

سوال : کیا سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ علیہاالسلام دونوں جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہوں گی؟

جواب : سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ بنت مزاحم علیہاالسلام دونوں کا جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی اصولِ محدثین کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ملاحظہ فرمائیں :

① سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرماتے ہوئے سنا : **أشعرتِ أنّ اللّٰہ قد زوّجنی فی الجنّۃ مریم بنت عمران و کلثم أخت موسی و امرأۃ فرعون .**

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مریم بنت عمران، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی (آسیہ) سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۵۹/۸، ح : ۸۰۰۶، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۱۸۰/۷)

یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ : [۱] اس کی سند میں خالد بن یوسف السمتی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔امام ابن عدی (الکامل : ۴۵/۳)، حافظ ذہبی (میزان الاعتدال : ۶۴۸/۱) اور حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد : ۲۱۸/۹) رحمہم اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

[۲] عبدالنور بن عبداللہ راوی ''وضاع''، یعنی حدیثیں خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والا ہے۔اس کے بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

کان غالیا فی الرفض ، ویضع الحدیث ، خبیثا . ''یہ شخص غالی رافضی تھا، حدیثیں گھڑتا تھا اور خبیث النفس تھا۔''(الضعفاء الکبیر للعقیلی : ۱۱۴/۳، ت : ۱۰۸۷)

[۳] یونس بن شعیب راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ ''منکر الحدیث'' کے

الفاظِ جرح استعمال کرتے ہیں۔(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۱۸۰/۷، وسندہٗ حسنٌ)

امام عقیلی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **حدیثه غیر محفوظ .**

''اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔''(الضعفاء الکبیر للعقیلی: ٤/٤٥٩)

④ سعد بن جنادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنّ اللّٰه زوّجنی فی الجنّة ، ومریم بنت عمران ، وامرأة فرعون ، وأخت موسی . ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کر دیا ہے۔''(المعجم الکبیر للطبرانی: ٦/٥٢، ح: ٥٤٨٥)

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فیه من لم أعرفهم .**

''اس سند میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔''(مجمع الزوائد: ۲۱۸/۹)

ان مجہولوں کے علاوہ اس میں یہ تین راوی ''ضعیف'' بھی ہیں:

[۱] محمد بن سعد العوفی کمزور راوی ہے۔ خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان لیّنا فی الحدیث . ''یہ حدیث میں کمزور تھا۔''(تاریخ بغداد: ۳۲۲/۵)

[۲] سعد بن محمد العوفی کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذاک جهميّ ... لو لم یکن هذا أیضا ، لم یکن ممّن یستأهل أن یکتب عنه .

''یہ جہمی تھا۔۔۔اگر یہ مسئلہ نہ بھی ہو تو یہ اس قابل نہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے۔''(تاریخ بغداد: ۱۲۶/۹، وسندہٗ حسنٌ)

[۳] الحسین بن الحسن بن عطیہ العوفی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کو امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم الرازی، امام ابن عدی، امام ابن سعد، امام عقیلی اور امام ابنِ حبان رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

③ ابن ابی رواد کہتے ہیں: **دخل رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم علی خدیجة فی مرضها الذی توفّیت فیه ، فقال لها : بالکره منّی ما**

الذی أری منک یا خدیجة ، وقد یجعل اللّٰہ فی الکرہ خیرا کثیرا ، أما علمت أنّ اللّٰہ زوّجنی معک فی الجنّة مریم بنت عمران وکلثم أخت موسی وآسیة امرأة فرعون ، قالت : وقد فعل اللّٰہ ذلک یا رسول اللّٰہ؟ قال : نعم ...

''رسول اللہ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا: مجھے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دُکھ ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس دُکھ میں بہت زیادہ بھلائی رکھ دے گا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح آپ کے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران ، کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون کے ساتھ کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول ! کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔''(المعجم الکبیر للطبرانی : ٤٥١/٢٢، ح : ١١٠٠)

اس کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

منقطع الإسناد ، وفیه محمّد بن الحسن بن زبالة ، وھو ضعیف .

''اس کی سند منقطع ہے، نیز اس میں محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ضعیف ہے۔''

(مجمع الزوائد : ٢١٨/٩)

محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔

④ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا خدیجة ، إذا لقیت ضرائرک فاقرئھنّ منّی السلام ، قالت : یا رسول اللّٰہ ! وھل تزوّجت قبلی ، قال : لا ، ولکنّ اللّٰہ زوّجنی مریم بنت عمران وآسیة بنت مزاحم وکلثم أخت موسی .

''اے خدیجہ! جب آپ اپنی سوتنوں سے ملنا تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا۔انہوں نے کہا : اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی کسی سے شادی کی

تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے (جنت میں) میرا نکاح مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور کلثم اخت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا ہے۔'' (تاریخ ابن عساکر: ۱۱۸/۷۰)

یہ من گھڑت اور خانہ ساز روایت ہے۔ اس کا راوی ابوبکر سلمی بن عبداللہ الہذلی ''متروک الحدیث'' ہے۔ (تقریب التهذيب لابن حجر: ۸۰۰۲)

⑤ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مریم بنت عمران اور سیدہ آسیہ کے بارے میں فرمایا: **وهما من أزواجي يوم القيامة .**

''یہ دونوں روزِ قیامت میری بیویاں ہوں گی۔'' (تاريخ ابن عساكر: ۱۱۸/۷۰)

اس کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے کیونکہ اس میں محمد بن عمر بن صالح الکلاعی راوی موجود ہے جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منكر الحديث عن ثقات الناس . ''یہ شخص ثقہ لوگوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدی: ۲۰۹/٦)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **منكر الحديث جدّا ، استحقّ ترك الاحتجاج بحديثه إذا انفرد .** ''اس کی حدیث سخت منکر ہوتی ہے۔ جب یہ کسی حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو یہ ناقابل حجت ہوتا ہے۔'' (المجروحين: ۲۹۱/۲)

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (البداية والنهاية: ۲۲۲/۸)

اس راوی کو حافظ ہیثمی رحمہ اللہ بھی ''ضعیف'' ہی قرار دیتے ہیں۔

(مجمع الزوائد للهيثمی: ۹۳/۳)

الحاصل : سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ کا جنت میں رسول اللہ ﷺ کا بیویاں بننا کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں۔ اس بارے میں کوئی روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁
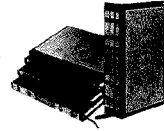
بچے یا بچی کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا بالاتفاق مستحب عمل ہے۔ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اسے ساتویں دن مشروع قرار دیا ہے جیسا کہ:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يعقّ عن الغلام شاتان مكافئتان ، وعن الجارية شاة)) ، قالت : عقّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن الحسن والحسين شاتين ، ذبحهما يوم السابع .

''لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطور عقیقہ ذبح کی جائے گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو بکریاں ساتویں دن بطورِ عقیقہ ذبح کیں۔''

(العیال لابن ابی الدنیا : ٤٣، والسیاق لهٗ، مسند البزار : ١٢٣٩، مسند ابی یعلی : ٤٥٢١، السنن الکبری للبیهقی : ٩/٣٠٣، ٣٠٤، وسندهٗ صحیحٌ)

② سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كلّ غلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمّى))

''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کے سر کو مونڈھا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔'' (مسند الإمام أحمد : ٥/٧، ٨، ١٢، ١٧، ١٨، ٢٢، سنن أبي داوٗد : ٢٨٣٨، سنن الترمذي : ١٥٢٢، سنن النسائي : ٤٢٢٥، سنن ابن ماجه : ٣١٦٥، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' اور امام ابن جارود رحمہ اللہ (٩١٠) اور امام حاکم رحمہ اللہ (مستدرک : ٤/٢٣٧) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت

کی ہے۔

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء و پیروی میں عقیقہ صرف ساتویں دن کرنا چاہیے، مثلاً بچہ جمعہ کے دن پیدا ہو تو اس کا عقیقہ جمعرات کے دن کرنا چاہیے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ پیدائش کے دن کو شمار نہیں کیا جائے گا لیکن یہ بات درست نہیں۔ ساتویں دن سے پہلے عقیقہ کرنا درست نہیں۔ بعض علمائے کرام ساتویں دن سے پہلے عقیقے کی اجازت دیتے ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

والظاهر أنّ التقييد بذلك استحباب ، وإلّا فلو ذبح عنه في الرابع أو الثامن أو العاشر أو ما بعده أجزأت . ''معلوم یہ ہوتا ہے کہ ساتویں دن کی قید استحباب کے طور پر ہے، ورنہ اگر کوئی شخص بچے کی طرف سے چوتھے، آٹھویں، دسویں یا بعد والے کسی دن عقیقہ کر دے تو وہ کفایت کر جائے گا۔'' (تحفة المودود لابن القيم : ص ٥٠)

لیکن یہ بات حدیث کے مطابق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ساتویں دن عقیقے کا ذکر ہے اور شریعت نے اس کا ایک وقت معین کیا ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ولا تجزیء قبل يوم السابع أصلا .**

''ساتویں دن سے پہلے عقیقہ قطعاً کفایت نہیں کرے گا۔'' (المحلى لابن حزم : ٢٤٠/٦)

یہی بات علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ بھی لکھی ہے۔ (سبل السلام : ١٨١/٤)

اسی طرح بعض اہل علم ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکنے کی صورت میں چودھویں یا اکیسویں دن عقیقے کی مشروعیت کے قائل ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ساتویں دن کے بعد بھی عقیقہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ جو روایات اس ضمن میں پیش کی جاتی ہیں، وہ اصولِ محدثین کے مطابق پایۂ صحت کو نہیں پہنچتیں۔ ان روایات پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

① سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

العقيقة تذبح لسبع ، أو أربع عشرة ، أو إحدى وعشرين .

''عقیقے کا جانور ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن ذبح کیا جائے۔''(المعجم الاوسط للطبرانی : ٤٩٧٩، المعجم الکبیر للطبرانی : ٧٢٣، السنن الکبری للبیهقی : ٣٠٣/٩)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں اسماعیل بن مسلم المکی راوی ''ضعیف الحدیث'' ہے۔(تقریب التهذیب لابن حجر : ٤٧٤)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : **وفيه اسماعيل بن مسلم المكّى ، وضعّف لكثره غلطه ووهمه .** ''اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم المکی راوی موجود ہے۔ اسے اس کی بہت زیادہ غلطیوں اور وہم کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔''

(مجمع الزوائد للهیثمی : ٥٩/٤)

② عطاء رحمہ اللہ نے کہا : ام کرز اور ابو کریز بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : **وليكن ذلک يوم السابع ، فإن لم يكن ففى أربعة عشر ، فإن لم يكن ففى إحدى وعشرين .** ''عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر چودھویں دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن۔''(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٢٣٨/٤، ٢٣٩، وقال : صحيح الاسناد، ووافقه الذهبى)

تبصرہ : اس قول کی سند ''انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ عطاء کے بارے میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **ولم يسمع من أمّ كرز شيئا .**

''انہوں نے ام کرز سے کچھ بھی نہیں سنا۔''(العلل لابن المدینی : ص ١٣٩)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ : **فإن لم يذبح فى اليوم السابع ذبح بعد ذلک حتّى أمكن فرضا .** ''اگر ساتویں دن عقیقے کا جانور ذبح نہ کر سکے تو اس کے بعد جب بھی اس فرض کی ادائیگی پر وہ استطاعت رکھے ایسا کر لے۔''

(المحلى لابن حزم : ٢٣٤/٦)

اس قول پر کوئی دلیل نہیں اور وہ سب روایات جن میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا، ضعیف اور غیر ثابت شدہ ہیں۔ لہٰذا یہ قول نا قابل التفات اور نا قابل عمل ہے۔

اسی طرح اگر بچہ ساتویں دن سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ نہیں ہو گا جبکہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا بھی عقیقہ واجب ہے۔(المحلی لابن حزم : ٦/٢٣٤)

اور حافظ نووی رحمہ اللہ کہتے کہ یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے۔(المجموع للنووی : ٨/٤٤٨)

یہ دونوں قول بھی مرجوح ہیں۔ عقیقہ کا تعلق زندگی سے ہے۔ دوسری طرف حدیث نے ساتویں دن کو بھی مقرر کر دیا ہے لہٰذا اصل سنت حاصل نہیں ہوگی۔ اسی طرح ولادت سے پہلے بھی عقیقہ جائز اور درست نہیں کیونکہ یہ عقیقہ کی سنت ایک سبب کے پیش نظر ادا کی جاتی ہے، وہ بچے کی پیدائش ہے۔ جب وہ سبب ہی نہ ہوگا تو سنت کیسے ادا ہوگی؟ قربانی کی طرح عقیقہ رات کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ساتویں دن عقیقہ کرنے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں: وحكمة هذا ــ والله أعلم ــ أنّ الطفل حين يولد يكون أمره مترددا بين السلامة والعطب ، ولا يدرى هل هو من أهل الحياة أم لا إلى أن تأتى عليه مدّة يستدلّ بما يشاهد من أحواله فيها على سلامة بنيته وصحّة خلقته وأنّه قابل للحياة ، وجعل مقدار تلك المدّة أيّام الأسبوع فإنّه دور يوميّ كما أنّ السنة دور شهريّ ..... والمقصود أنّ هذه الأيّام أوّل مراتب العمر ، فإذا استكملها المولود انتقل إلى المرتبة الثانية وهى الشهور ، فإذا استكملها انتقل إلى الثالثة وهى السنين ، فما نقص عن هذه الأيّام فغير مستوف للخليقة ..... فجعلت تسمية المولود وإماطة الأذى عنه وفديته وفكّ رهانه فى اليوم السابع .

”اس کی حکمت ، واللہ اعلم ، یہ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا معاملہ سلامتی اور

ہلاکت کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زندہ رہے گا یا نہیں۔حتی کہ اس پر اتنی مدت گزر جائے کہ اسے دیکھنے والا اس کے حالات سے اس کی تخلیقی سلامتی ،صحت اور اس کے زندگی کے قابل ہونے کا اندازہ کر سکے۔اس مدت کی مقدار شریعت نے ایک ہفتہ مقرر کی کیونکہ ہفتہ ، دنوں کا ایک مکمل چکر ہے جیسا کہ سال مہینوں کا ایک مکمل چکر ہوتا ہے۔۔۔مقصود یہ ہے کہ یہ سات دن مراتبِ عمر میں سے پہلا مرتبہ ہیں۔ جب بچہ ان دنوں کو پورا کر لیتا ہے تو وہ دوسرے مرتبے میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ مہینے کی صورت میں ہوتا ہے اور جب وہ دوسرے مرتبے کی تکمیل کرتا ہے تو تیسرے مرتبے ،یعنی سال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جو بچہ ان مراتب میں سے کسی مرتبے کو پہنچ نہ پایا ہو، اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوتی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کے نام کا تعین ، اس سے گندگی کو دور کرنے (ختنہ کرنے اور سر منڈوانے)، اس کا فدیہ دینے اور اس کی گردن کو آزاد کرنے (عقیقہ کرنے) کے لیے ساتواں دن مقرر کیا گیا۔'' (تحفة المودود لابن القيم : ص ٧٥، ٧٦)

❀❀❀❀❀❀❀

صحیح حدیث لو!

امام محمد بن یحییٰ ذُہلی رحمہ اللہ (م ٢٥٨ھ) فرماتے ہیں:

لا يكتب الخبر عن النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم حتّى يرويه ثقة عن ثقة حتّى يتناهى الخبر إلى النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بهذه الصفة ، ولا يكون فيهم رجل مجهول ولا رجل مجروح ، فإذا ثبت الخبر عن النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بهذه الصفة وجب قبوله والعمل به وترك مخالفته . ''نبی اکرم ﷺ سے بیان کردہ کوئی روایت اس وقت تک نہ لکھی جائے جب تک اسے ثقہ راوی اپنے جیسے ثقہ سے بیان کرے اور یہ سلسلہ یونہی نبی اکرم ﷺ تک پہنچ جائے۔اس کڑی میں کوئی مجہول یا مجروح شخص نہ ہو۔ جب کوئی حدیث اس طریقے سے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا ، اس پر عمل کرنا اور اس کی مخالفت چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔''

(الكفاية فى علم الرواية للخطيب : ٣٦، وسندهٗ صحيحٌ)

صحیحین میں بدعتی راوی

ابن الحسن المحمدی

ہم راوی کے صدق و عدالت اور حفظ و ضبط کو دیکھتے ہیں۔ اس کا بدعتی ، مثلاً مُرجی، ناصبی، قدری ،معتزلی ،شیعی وغیرہ ہونامُضر نہیں ہوتا۔صحیح قول کے مطابق کسی عادل و ضابط بدعتی راوی کا داعی الی البدعۃ ہونا بھی مُضر نہیں ہوتا اور اس کی وہ روایت بھی قابل قبول ہوتی ہے جو ظاہراً اس کی بدعت کوتقویت دے رہی ہو۔

بدعت کی اقسام : حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بدعت کی دوقسمیں بیان کی ہیں:

① بدعتِ صغریٰ ، ② بدعتِ کبریٰ

بدعتِ صغریٰ کی مثال انہوں نے تشیّع سے دی ہے جبکہ بدعتِ کبریٰ کی مثال کامل رفض اوراس میں غلو سے دی ہے۔(میزان الاعتدال للذھبی : ۱/۵،٦)

انہوں نے ابان بن تغلب راوی کے بارے میں لکھا ہے :

شيعيّ جلد ، لكنّه صدوق ، فلنا صدقه ، وعليه بدعته .

''یہ کٹر شیعہ لیکن سچا تھا۔ہمیں اس کی سچائی سے سروکار ہے۔ اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہوگا۔''(میزان الاعتدال : ۱/۵)

اگرکسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ بدعتی راوی ثقہ اور عادل کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب ہم حافظ ذہبی رحمہ اللہ ہی کی زبانی ذکر کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :

وجوابه أنّ البدعة على ضربين ، فبدعة صغرى كغلوّ التشيّع أو كالتشيّع بلا غلوّ ولا تحرّف ، فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق ، فلو ردّ حديث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبويّة ، وهذه مفسدة

بيّنة ، ثمّ بدعة كبرى كالرفض الكامل والغلوّ فيه والحطّ على أبى بكر وعمر ⑳رضى اللّٰه عنهما ، والدعاء إلى ذلک ، فهذا النوع لا يحتجّ بهم ولا كرامة ، وأيضا فما أستحضر الآن فى هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا ، بل الكذب شعارهم والتقيّة والنفاق دثارهم ، فكيف يقبل نقل من هذا حاله ، حاشا وكلّا ، فالشيعىّ الغالىّ فى زمان السلف وعرفهم هو من تكلّم فى عثمان والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممّن حارب عليّا رضى اللّٰه عنه ، وتعرّض لسبّهم ، والغالىّ فى زماننا وعرفنا هو الذى يكفّر هؤلاء السادة ويتبرّأ من الشيخين أيضا ، فهذا ضالّ معثر ، ولم يكن أبان بن تغلب يعرض للشيخين أصلا ، بل قد يعتقد عليّا أفضل منهما .

''بدعت کی دو قسمیں ہیں: ① بدعتِ صغریٰ جیسے غلو یا بلا غلو شیعیت۔ اس قسم کی رائے تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد میں پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ وہ دیندار، پرہیزگار اور سچے تھے۔ اگر ان کی احادیث ردّ کر دی جائیں تو تمام احادیث سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور یہ واضح خرابی ہے۔ ② بدعتِ کبریٰ جیسے کامل رفض اور اس میں غلو، سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے وقار کو مجروح کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا۔ اس نوع کے راویوں سے حجت نہیں لی جائے گی، نہ ان کی عزت و تکریم کی جائے گی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ میرے حافظے کے مطابق ایسے راویوں میں سے کوئی ایک بھی سچا اور قابل اعتبار آدمی موجود نہیں بلکہ جھوٹ ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اس کی روایت کیسے قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ سلف کے دور میں غالی شیعہ وہ شخص تھا جو سیدنا عثمان، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا معاویہ اور اس گروہ پر اعتراض کرتا تھا اور ان کو برا بھلا کہتا تھا جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی جبکہ ہمارے زمانے میں غالی وہ شخص ہے جو ان محترم شخصیتوں کی تکفیر کرتا ہے اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اعلان کرتا ہے۔ ایسا شخص

سراسر گمراہ ہے۔ جہاں تک ابان بن تغلب کا تعلق ہے تو اس نے سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ صرف یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔''

(میزان الاعتدال : ۱/۵، ٦)

بدعتِ صغریٰ، یعنی غیر مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت قبول کی جائے گی، بشرطیکہ وہ ثقہ وصدوق ہو۔ بدعتِ غیر مکفرہ کو شرک اور کفر سے جا ملانا درست نہیں۔ بدعتِ کبریٰ، یعنی مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت مردود ہے کیونکہ وہ ساقط العدالت ہے۔ عدالت کے لیے پہلی شرط ہی اسلام ہے جو اس میں مفقود ہو چکی ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **لا إشكال فی ردّ روایته .**

''بدعتِ کبریٰ کے مرتکب راوی کی روایت کے مردود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔''

(اختصار علوم الحدیث : ص ۸۳)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولا یبقی من الرواة الذین لم أذکرهم إلّا من هو ثقة أو صدوق ، وإن كان ينسب إلی هوی ، فهو فيه متأوّل .**

''میں نے جن راویوں کو (اپنی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں) ذکر نہیں کیا، وہ سب کے سب ثقہ یا صدوق ہیں، اگرچہ ان (میں سے بعض) کو بدعتی کہا گیا ہے لیکن وہ ایک تاویل کی وجہ سے اس بدعت میں مبتلا تھے۔'' (الکامل لابن عدی : ۱/۱٦)

ائمہ حدیث کا مجموعۂ تصرفات یہ آگاہی دیتا ہے کہ بدعتی راوی خواہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو، جب تک اس کی بدعت اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی اور اس کے خون کو جائز قرار نہیں دیتی، اس کی روایت قابل قبول ہوگی۔

فائدہ نمبر ①: اگر راوی ثقہ وصدوق ہو، بدعتِ غیر مکفرہ کا مرتکب ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی خواہ وہ روایت ظاہراً اس کی بدعت کو تقویت دے رہی

ہو۔ یہی صحیح اور حق بات ہے۔ علامہ جوزجانی (م ۲۵۹ھ) کہتے ہیں کہ اگر بدعتی راوی کی روایت اپنی بدعت کی تقویت میں ہو تو قبول نہیں۔ (احوال الرجال للجوزجانی : ۳۲)

یاد رہے کہ جوزجانی صدوق، حسن الحدیث ہیں لیکن خود غالی ناصبی، بدعتی تھے۔ ان کی یہ بات درست نہیں۔ (دیکھیے التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل : ۱/۴۲۔۵۲)

فائدہ نمبر ②: امام اہل سنت نعیم بن حماد الخزاعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ محدثین کرام نے عمرو بن عبید کو کس وجہ سے متروک قرار دیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: عمرو بن عبید عقیدۂ قدر کا داعی تھا۔" (تقدمة الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۷۳، وسندهٗ حسنٌ)

اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ جب داعی الی البدعۃ کی روایت قبول ہے تو عمرو بن عبید کو داعی الی القدر ہونے کی بنا پر متروک کیوں قرار دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن عبید پر محدثین کرام کی جروح یہ بتاتی ہیں کہ یہ "کذاب" اور "وضّاع" بھی تھا۔ یقیناً یہ اپنی بدعت کے لیے جھوٹ بولنا اور حدیثیں گھڑنا روا سمجھتا ہو گا۔ گویا اس کی اپنی بدعت کی طرف دعوت جھوٹ اور وضعِ حدیث سے مرکب تھی۔ ایسی مرکب دعوت راوی کو ناقابل اعتبار اور ساقط العدالت بنا دیتی ہے، لہٰذا محدثین کرام نے اسے متروک قرار دیا۔

یہاں بطور خاص یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ کسی شخص کے قدری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ منکر تقدیر ہے، بلکہ قدری لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یا شر صرف بندے کا فعل ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ خیر و شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ شر اللہ تعالیٰ نے حکمت کے تحت پیدا کیا ہے، لہٰذا وہ شر بھی اپنی حقیقت میں اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے خیر ہے۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں شر نہیں بلکہ اس کی مخلوقات میں شر موجود ہے۔ اتنی سی

بات منکرین حدیث سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے محدثین کرام کو منکرین تقدیر کہہ کر اعتراضات شروع کر دیے ہیں۔ العیاذ باللّٰہ من الزیغ !

فائدہ نمبر ③ : امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

محمّد بن الحسن الشيبانيّ ، صاحب الرأى ، وكان مرجئا ، داعيا له ، وهو أوّل من ردّ على أهل المدينة ، ونصر صاحبه يعنى النعمان ، وكان عاقلا ، ليس فى الحديث شيء ، كان يروى عن الثقات ، ويهم فيها ، فلمّا فحش ذلک منه استحقّ تركه من أجل كثرة خطئه ، لأنّه كان داعية إلى مذهبهم .

''محمد بن الحسن الشیبانی صاحب الرائے اور مرجی تھا، ارجاء کی طرف دعوت دیتا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اہل مدینہ کی مخالفت کی اور اپنے استاذ ، یعنی نعمان کی نصرت و تائید کی۔ وہ قیاس کرتا تھا، حدیث میں کسی کام کا نہ تھا۔ وہ ثقہ راویوں سے روایات بیان کرتا تھا اور ان میں وہم کھاتا تھا۔ جب یہ اوہام زیادہ ہو گئے تو کثرتِ خطا کی وجہ سے وہ متروک قرار دیے جانے کا مستحق ہو گیا کیونکہ وہ اہل ارجاء کے مذہب کی طرف دعوت دیتا تھا۔''

(كتاب المجروحين لابن حبان : ٢/٢٧٥، ٢٧٦)

محمد بن حسن شیبانی بالاتفاق ''ضعیف'' راوی ہے۔ اس کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید والی کاروائی میں ملوث تھا۔ اس کی طرح اس کی بھی اپنی بدعت کی طرف دعوت جھوٹ کے ساتھ مرکب تھی۔

فائدہ نمبر ④ : اگر کوئی کہے کہ صحیح بخاری میں عباد بن یعقوب الرواجنی ابوسعید الکوفی راوی موجود ہے جو مشہور رافضی ہے اور بدعت کا داعی ہے تو واضح رہے کہ یہ راوی حسن الحدیث ہے اور جمہور محدثین کرام نے اس کی توثیق کی ہے۔ کسی بھی ثقہ وصدوق راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے جب تک وہ ساقط العدالت نہ ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصولِ بخاری میں اس کی کوئی روایت موجود نہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: **وعنه البخاریّ حديثا فی الصحيح مقرونا بآخر .**

''امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس سے اپنی صحیح میں ایک حدیث روایت کی ہے لیکن وہ حدیث اس کے ساتھ دوسرے ثقہ راوی کو ساتھ ملا کر بیان کی ہے۔''(میزان الاعتدال: ۳۷۹/۲)

گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس سے حجت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس کی روایت کے علاوہ اس حدیث کے اور طرق بھی بخاری میں موجود ہیں۔''(ھدی الساری لابن حجر)

لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوا۔ وللّٰہ الحمد!

اگر کوئی کہے کہ صحیح بخاری میں عمران بن حطان نامی راوی کی روایت موجود ہے جو کہ خارجیوں کا رئیس تھا تو جواب یہ ہے کہ خروج کا الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں بھی اس راوی کی حدیث کے لیے مُضر نہیں کیونکہ یہ صدوق، حسن الحدیث تھا۔ جمہور محدثین کرام نے اس کی توثیق کی ہے۔ پھر صحیح بخاری کے اندر اصول میں اس کی کوئی روایت موجود نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ متابعت میں صرف ایک حدیث ہے اور اس کے بھی کئی اور طرق موجود ہیں۔(ھدی الساری لابن حجر: ٤٣٣)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو راوی اصول کے نہیں، یعنی ان کی روایات متابعات و شواہد میں ذکر کی گئی ہیں، وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ عمومی طور پر منکرین حدیث اور عقل پرستوں کا حملہ انہی راویوں پر ہوتا ہے جو اصول کے راوی نہیں ہیں، یعنی امام بخاری و مسلم نے اپنی سند کے ساتھ ان سے مرفوع، مسند اور متصل روایت بیان نہیں کی ہوتی۔ ان کی روایات متابعات وشواہد میں ہوتی ہیں یا دوسرے راویوں کو ملا کر ذکر کی گئی ہوتی ہیں۔ ایسے راویوں پر جرح کر کے یا ان کو بدعتی قرار دے کر یہ باور کرانا کہ بخاری ومسلم میں ضعیف راوی موجود ہیں، محض مغالطہ ہے۔

یہی صحیح روایات بخاری و مسلم سے پہلے دوسرے محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں بھی درج کی ہوتی ہیں، اس کے باوجود حملہ بخاری و مسلم پر ہوتا ہے۔ کیوں؟

جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب منکرین حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ بے چارے اصولِ حدیث میں بالکل کورے ہیں۔ محمد بن خازم بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔ اصولِ حدیث کی رُو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی، معتزلی یا مرجی، وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت ہیں۔''

(احسن الکلام از صفدر، حصہ اول: ص ۳۱)

صحیح بخاری و مسلم میں بدعتی راویوں کے بارے میں چند اصولی باتیں یاد رکھنی چاہئیں:

① صحیحین میں بدعتِ کبریٰ، یعنی بدعتِ مکفرہ کے مرتکب راوی کی کوئی روایت موجود نہیں۔

② صحیحین میں ثقہ و صدوق بدعتی راویوں کی روایات موجود ہیں۔ ایسے راویوں کی روایات میں کوئی مضرت نہیں۔

③ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق بدعتی راویوں کی روایات موجود ہیں جو بدعت کے داعی تھے۔ یہ چیز بھی چنداں مُضر نہیں۔

④ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی ہیں جن پر بدعتی ہونے کا محض الزام ہے۔

⑤ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی موجود ہیں جن پر کسی بدعتی کی تعریف کی بنا پر وہی الزام تھوپ دیا گیا۔

⑥ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی ہیں جو پہلے بدعتی تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنی بدعت سے رجوع کر لیا تھا۔

⑦ یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح بخاری میں موجود روایت بدعتی راوی نے اپنی بدعت کو

اختیار کرنے سے پہلے بیان کر دی ہو۔

⑧ صحیح بخاری و مسلم میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی موجود ہیں جن کی روایات بظاہر ان کی بدعت کو تقویت دیتی ہیں۔ یہ چیز بھی مُضر نہیں کیونکہ صدق و عدالت سے موصوف ثقہ و صدوق راوی کسی صحیح حدیث میں غلط تاویل کر سکتا ہے۔ جب وہ خود سچا اور عادل ہے تو اس کی غلط تاویل سے صحیح حدیث میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اس کی روایت قبول کرنے میں کوئی مانع اور حرج نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا!

① سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: **أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ ، وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ ، مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ .** ''میں شیطان مردود کے شر سے بہت عظیم اللہ، اس کے معزز چہرے اور اس کی قدیم بادشاہت کی پناہ میں آتا ہوں۔''

نیز آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب کوئی یہ دُعا پڑھ لے تو شیطان کہتا ہے:

حُفِظَ منّی سائر الیوم . ''یہ سارا دن مجھ سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔''

(سنن ابی داوٗد: ٤٦٦، وسندهٗ صحيحٌ)

② سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی مسجد میں داخل ہو، وہ نبی (ﷺ) پر سلام بھیجے اور یہ دعا پڑھے: **اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ .** ''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اور جو کوئی مسجد سے نکلے، وہ نبی (ﷺ) پر سلام بھیجے اور یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ . ''اے اللہ! مجھے شیطان مردود سے محفوظ رکھنا۔''(سنن ابن ماجه: ٧٧٣، وسندهٗ صحيحٌ)

نوٹ: یہ دعائیں پڑھنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلام ان الفاظ سے پڑھنا چاہیے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ .

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، شریعت کی رُو سے ان کا پیشاب پاک ہے۔ اس حوالے سے دلائل شرعیہ ملاحظہ فرمائیں :

دلیل نمبر ① : عن أنس قال : قدم أناس من عكل أو عرينة ، فاجتووا المدينة ، فأمرهم النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بلقاح ، وأن يشربوا من أبوالها وألبانها ، فانطلقوا ، فلمّا صحّوا قتلو راعى النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم واستاقوا النعم ، فجاء الخبر فى أوّل النهار ، فبعث فى آثارهم ، فلمّا ارتفع النهار جىء بهم ، فأمر ، فقطع أيديهم وأرجلهم ، وسمرت أعينهم ، وألقوا فى الحرّة يستسقون فلا يسقون ، قال أبو قلابة : فهولاء سرقوا ، وقتلوا ، وكفروا بعد أيمانهم ، وحاربوا اللّٰه و رسوله .

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے ، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے اور ان کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے ، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے ۔ یہ خبر صبح ہی پہنچ گئی، آپ نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا، جب دن چڑھ آیا تو ان کو پکڑ لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے ، ان کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ان کو پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن ان کو پانی دیا نہ گیا۔ ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے قتل کیا ، چوری کی ، ایمان

لانے کے بعد مرتد ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

(صحیح بخاری : ۲۳۳ ، صحیح مسلم : ١٦٧١)

فقہائے امت نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب وغیرہ پاک ہوتا ہے۔آیئے چند مشہور فقہاء کے فرامین ملاحظہ فرمائیں :

① امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴ ـ ۲۵۶ ھ)اس حدیث پر تبویب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها .

''اونٹوں ، چوپائیوں اور بھیڑ بکریوں کے پیشاب اور ان کے باڑوں کا حکم ۔''

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں : **وحديث العرنيين ليستدل به على طهارة ابوال الابل .** ''امام بخاری رحمہ اللہ نے قبیلہ عرینہ والے لوگوں کی حدیث اس لئے بیان کی ہے تا کہ اس کے ذریعے اونٹوں کے پیشاب کے پاک ہونے پر استدلال کریں ۔''

(فتح الباری : ٣٣٥/١)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب کی وضاحت میں لکھتے ہیں :

غرضه إثبات طهارة أبوال الدوابّ المأكولة لحمها .

''امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاک ہیں۔''

(شرح تراجم ابواب صحیح البخاری از شاہ ولی اللّٰہ)

② امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳ـ ۳۱۱ ھ) اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں : **باب الدليل على أنّ أبوال ما يؤكل لحمه ليس بنجس ، ولا ينجس الماء إذا خالطه ، إذ النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قد أمر بشرب أبوال الإبل مع ألبانها ، ولو كان نجسا لم يأمر بشربه .**

''اس بات پر دلیل کا بیان کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک نہیں، نہ اس کے

پانی میں ملنے سے پانی ناپاک ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اونٹ کے دودھ کے ساتھ ان کے پیشاب کو بھی پینے کا حکم دیا تھا۔ اگر وہ نجس ہوتا تو آپ اس کو پینے کا حکم نہ دیتے۔''
(صحیح ابن خزیمه : ۱/۶۰۔۶۱)

③ امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰ ۔ ۲۷۹ ھ) تبویب میں یوں رقمطراز ہیں :
باب ما جاء فی بول ما یوکل لحمه . ''ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا بیان۔''

نیز لکھتے ہیں: **وهو قول أكثر أهل العلم ، قالوا: لا بأس ببول ما يؤكل لحمه .** ''اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔''(جامع الترمذی، تحت الحدیث : ۷۲)

اس سے بڑھ کر یہ کہ امام ترمذی نے اسی حدیث کو ''کتاب الاطعمۃ'' (کھانے کا بیان) میں بھی پیش کیا ہے اور باب یوں باندھا ہے: **باب ما جاء فی شرب أبوال الإبل .**
''اونٹ کا پیشاب پینے کے بارے میں باب۔''(جامع الترمذی، تحت الحدیث : ۱۸۴۵)
معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

④ اس حدیث پر امام نسائی رحمہ اللہ (۲۱۵ ۔۳۰۳) کی تبویب یوں ہے :
باب بول ما يؤكل لحمه .
''ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا بیان۔''(سنن النسائی، قبل الحدیث : ۳۰۶)

⑤ امام ابنِ منذر رحمہ اللہ (م ۳۱۸ ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :
وهذا يدلّ على طهارة أبوال الإبل ، ولا فرق بين أبوالها وأبوال سائر الأنعام ، ومع أنّ الأشياء على الطهارة ، حتّى تثبت نجاسة شيء منها بكتاب أو سنة أو إجماع .

''یہ حدیث اونٹوں کے پیشاب کے پاک ہونے پر دلیل ہے، اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کے پیشاب میں کوئی فرق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام اشیاء اصلاً پاک ہوتی

ہیں یہاں تک کہ قرآن، حدیث یا اجماع کے ذریعے ان کی نجاست ثابت نہ ہو جائے۔''

(الاوسط لابن المنذر: ۱۹۹/۲)

⑥ امام ابن حبان (م۳۵۴ھ) اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ذكر الخبر المصرّح بأنّ أبوال ما يؤكل لحومها غير نجسة .

''اس بات میں صریح حدیث کا بیان کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک نہیں ہے۔'' (صحیح ابن حبان: ۲۲۳/٤، تحت الحدیث: ۱۳۸٦)

⑦ امام الفقیہ عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ (۵۱۰ ـ ۵۸۱) اس حدیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں: **باب أبوال ما يؤكل لحمه ورجيعه .**

''ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور فضلے کا بیان۔''

(الاحکام الشرعیة الکبریٰ للاشبیلی: ۳۸۹/۱)

⑧ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ـ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

فإذا أطلق ... الإذن في الشرب لقوم حديثي العهد بالإسلام جاهلين بأحكامه ، ولم يأمرهم بغسل أفواههم وما يصيبهم منها لأجل صلاة ولا لغيرها، مع اعتيادهم شربها ، دلّ ذلك على مذهب القائلين بالطهارة .

''جب آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹ کا پیشاب پینے کی مطلق اجازت دی ہے جو کہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کے احکام سے نا واقف تھے، نیز ان کو منہ اور پیشاب سے ملوث چیزوں کو نماز وغیرہ کے لئے دھونے کا حکم بھی نہیں دیا حالانکہ وہ بار بار اسے پیتے رہے۔اس سے اونٹ کے پیشاب کو پاک کہنے والوں کی دلیل بنتی ہے۔''

(بحوالہ تحفة الاحوذی: ۷۸/۱)

⑨ شیخ الاسلام ثانی ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱ـ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

وفي القصّة دليل على ..... طهارة بول مأكول اللحم ، فإنّ التداوي

بالمحرّمات غير جائز ، ولم يؤمروا مع قرب عهدهم بالإسلام بغسل أفواههم وما أصابته ثيابهم من أبوالها للصلاة ، وتأخير البيان لا يجوز عن وقت الحاجة .

''اس واقعے میں حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ حرام چیزوں کو بطور دوائی استعمال کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نماز کے لیے اپنے منہ اور وہ کپڑے دھونے کا حکم نہیں ملا جن کو یہ پیشاب لگتا تھا۔ کسی وضاحت کو وقتِ ضرورت سے مؤخر کرنا جائز ہی نہیں (اگر یہ پیشاب ناپاک تھا تو اسی وقت ان کو وضاحت کی جانی چاہیے تھی)۔'' (زاد المعاد لابن القیم : ٨٤/٤)

قارئین ! آپ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ اونٹ کے پیشاب کو پینے کا حکم دے رہے ہیں اور محدثین وفقہاء کی ایک جماعت اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کر رہی ہے جبکہ اس کو نجس کہنے والوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل موجود نہیں، محض اعتراضات ہیں، جن کو ہم رفع کر دیں گے۔ إن شاء الله !

دلیل نمبر ② عن أنس قال : كان النبيّ صلّى الله عليه وسلّم يصلّي قبل أن يبنى المسجد في مرابض الغنم .

''سیدنا انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مسجد بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز ادا فرماتے تھے۔'' (صحیح البخاری : ٢٣٤ ، صحیح مسلم : ٥٢٤)

اس حدیث سے بھی ائمہ حدیث اور فقہائے امت نے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کو ثابت کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں :

① امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) اس حدیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں :

باب أبوال الإبل والدوابّ والغنم ومرابضها .

''اونٹوں، مویشوں اور بکریوں کے پیشاب نیز بکریوں کے باڑوں کا بیان۔''

② امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰۔۲۷۹ھ) کی تبویب یہ ہے:

باب ما جاء في الصلاة في مرابض الغنم وأعطان الابل .

''بکریوں اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز کا بیان۔''(جامع الترمذی، قبل الحدیث: ۳۵۰)

نیز بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وعليه العمل عند أصحابنا ، وبه يقول أحمد وإسحاق .

''ہمارے اصحاب (محدثین) کے ہاں اسی پر عمل ہے، نیز امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا یہی فتوی ہے۔''(جامع الترمذی، تحت الحدیث: ۳۴۹)

③ امام ابن خزیمہ(۲۲۳۔۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

باب ما جاء الصلاة في مرابض الغنم .

''بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کے جواز کا بیان۔''(صحیح ابن خزیمة: ۵/۲)

④ امام ابن حبان رحمہ اللہ (م۳۵۴ھ) اس حدیث پر تبویب فرماتے ہیں:

ذكر جواز الصلاة للمرء على المواضع التي أصابها أبوال ما يؤكل لحومها وأرواثها .

''اس بات کا بیان کہ آدمی کا ان جگہوں میں نماز پڑھنا جائز ہے جو حلال جانوروں کے پیشاب اور گوبر میں ملوث ہوں۔''

نیز بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت والی ایک دوسری حدیث پر یہ تبویب کرتے ہیں: **ذكر الخبر المدحض قول من زعم أنّ أبوال ما يؤكل لحومها نجسة .** ''اس حدیث کا بیان جو ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو نجس خیال کرنے والے لوگوں کا رد کرتی ہے۔''(صحیح ابن حبان: ۲۲۴/۴۔ ۲۲۶)

⑤ علامہ نووی(۶۳۱۔۶۷۶ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وأمّا إباحته صلّى اللّٰه عليه وسلّم الصلاة فى مرابض الغنم دون مبارك الإبل ، فهو متّفق عليه .

''رہا آپ ﷺ کا بکریوں کے باڑوں میں نماز کو مباح قرار دینا اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز سے روکنا تو اس پر سب کا اتفاق ہے۔''(شرح صحیح مسلم للنووی : ۱۵۸/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) احادیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے پر دلیل لیتے ہوئے فرماتے ہیں :

وصحّ عنه أنّه أذن فى الصلاة فى مرابض الغنم ، ولم يأمر بحائل ...

''آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور کسی قسم کی رکاوٹ وغیرہ رکھنے کا حکم نہیں دیا(تو معلوم ہوا کہ بکریوں کا پیشاب پاک ہے)۔''(شرح العمدة فى الفقه : ۶۰/۱)

قارئین ! آپ جان چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خود بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھی ہے ، نیز سوال کرنے والے صحابی کو آپ نے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔(صحیح مسلم : ۳۶۰)محدثین کرام نے ان احادیث سے بھی ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کی ہے جیسا کہ ان کی مذکورہ تبویب سے عیاں ہے۔

دلیل نمبر ③ : عن عبداللّٰه قال : كان النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يصلّى عند البيت ، وأبو جهل وأصحاب له جلوس ، إذ قال بعضهم لبعض : أيّكم يجىء بسلى جزور بنى فلان ، فيضعه على ظهر محمّد إذا سجد؟ فانبعث أشقى القوم ، فجاء به ، فنظر حتّى إذا سجد النبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وضعه على ظهره بين كتفيه ، وأنا أنظر ، لا أغنى شيئا ، لو كانت لى منعة ، قال : فجعلوا يضحكون و يحيل بعضهم على بعض ، ورسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه

وسلّم ساجد لا يرفع رأسه ، حتّى جاءته فاطمة فطرحته عن ظهره ، فرفع رأسه ثمّ قال : ((اللّٰهم عليک بقريش)) ، ثلاث مرّات ، فشقّ عليهم إذ دعا عليهم ، قال : وكانوا يرون أنّ الدعوة فی ذلک البلد مستجابة ، ثمّ سمّی : ((اللّٰهم عليک بأبی جهل ، وعليک بعتبة بن ربيعة ، وشيبة بن ربيعة ، والوليد بن عتبة ، وأميّة ابن خلف ، وعقبة بن أبی معيط)) ، وعدّ السابع فلم نحفظه ، قال : فوالذی نفسی بيده ! لقد رأيت الذين عدّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم صرعی فی القليب قليب بدر .

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بیت اللہ کے قریب نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تم میں سے کون فلاں قبیلے کے اونٹ کی بچہ دانی لا کر سجدے کی حالت میں محمد ﷺ کی پشت پر رکھے گا ؟ ان میں سے بدبخت ترین شخص اٹھا ، بچہ دانی لایا اور انتظار کرتا رہا، جب نبی اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو وہ آپ کی کمر پر دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کاش مجھ میں طاقت ہوتی۔ وہ کفار ہنسنے لگے اور خوشی سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ سجدے میں ہی تھے ، سر نہیں اٹھا سکتے تھے ، یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں اور بچہ دانی آپ کی کمر مبارک سے ہٹا دی۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا ، پھر تین مرتبہ فرمایا : اے اللہ ! قریشیوں کو ہلاک کر دے، آپ کی بد دعا ان پر گراں گزری۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کفار سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے پھر نام لے کر فرمایا: اے اللہ ! تو ابوجہل کو ہلاک کر دے ، عتبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر دے ، شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر دے ، ولید بن عقبہ کو ہلاک کر دے ، امیہ بن خلف کو ہلاک کر دے ، عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے ساتواں نام بھی شمار کیا لیکن ہم اسے یاد نہ رکھ سکے۔ اس ذات کی قسم

جس کے ہاتھ میں میرے جان ہے! میں نے ان سب لوگوں کو بدر والے دن کنویں میں اوندھے پڑے دیکھا جن کو رسول اکرم ﷺ نے شمار کیا تھا۔‘‘

(صحیح البخاری : ٢٤٠ ، صحیح مسلم : ١٧٩٤)

بعض روایات میں آپ ﷺ پر قریش کی طرف سے گوبر اور خون ڈالنے کا صریح ذکر بھیہے ۔(سنن النسائی : ٣٠٨، وغیرہ)

❀ امام نسائی رحمہ اللہ (٢١٥۔٣٠٣ھ) اس حدیث پر یوں باب باندھتے ہیں :

باب فرث ما يؤكل لحمه يصيب الثوب .

’’ماکول اللحم جانوروں کا گوبر اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اس کا حکم ۔‘‘

(سنن النسائی المجتبی : ٣٠٨)

علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ (م ١١٣٨ھ) لکھتے ہیں :

واستدلّ بالحديث المصنّف على طهارة فرث ما يؤكل لحمه .

’’امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ماکول اللحم جانوروں کے گوبر کے پاک ہونے کا استدلال کیا ہے ۔‘‘ (حاشية السندی علی سنن النسائی : ١٦٢/١)

❀ امام عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ (٥١٠ ۔ ٥٨١ ھ) اس کی تبویب میں لکھتے ہیں :

باب أبوال ما يؤكل لحمه و رجعيه .

’’ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور گوبر کا بیان ۔‘‘

(الاحکام الشریعة الکبرٰی للاشبیلی : ٣٨٩/١)

❀ قاضی عیاض رحمہ اللہ (٤٧٦۔٥٤٤ھ) بھی ماکول اللحم جانوروں کے گوبر کو پاک کہتے تھے ۔(شرح مسلم للنووی : ١٠٨/٢)

جاری ہے ۔۔۔۔

نماز میں سورۂ فاتحہ اور امام

ابوعبداللہ صارم

نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے حوالے سے بعض مقلدین یہ روایت پیش کرتے ہیں :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے : **إنّ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لمّا جاء إلی أبی بکر وھو یصلّی بالناس فی مرضہ أخذ من حیث کان بلغ أبوبکر من القراء ۃ .**

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہیں سے قراءت شروع کردی جہاں تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے۔''

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ۲۱۱/۲، مسند الامام احمد : ۲۳۱/۱، سنن ابن ماجہ : ۱۲۳۵)

اس کی سند ابواسحاق سبیعی راوی کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔ انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ابواسحاق سبیعی کو امام شعبہ (معرفۃ السنن والآثار : ۱/۶۵، وسندہٗ صحیح)، امام نسائی (طبقات المدلسین : ۴۲)، حسین کرابیسی، ابوجعفر طبری (تہذیب التہذیب : ۸/۶۶)، امام ابن خزیمہ (۱۰۹۴)، امام ابن منذر (الاوسط : ۵/۲۱۷)، امام ابن حبان (۵/۱۷۷) رحمہم اللہ وغیرہ نے ''مدلس'' قرار دیا ہے۔ مسلّم اصول ہے کہ ''ثقہ، مدلس'' جب سماع کی تصریح نہ کرے تو بخاری ومسلم کے علاوہ اس کی روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

مسند احمد (۱/۲۰۹) والی روایت کی سند میں قیس بن ربیع راوی ہے جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **ضعّفہ الجمھور .**

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (المغنی عن حمل الاسفار للعراقی : ۷۰/٤)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **وضعّفہ الأکثرون .** ''اسے زیادہ محدثین نے ضعیف کہا ہے۔'' (فیض القدیر للمناوی : ٦۹/٦)

مقتدی کو سورتِ فاتحہ سے منع کرنے والے اب امام کو بھی فاتحہ سے منع کرنے لگے ہیں کیونکہ اس ''ضعیف'' روایت میں امام کی بات ہو رہی ہے نہ کہ مقتدی کی۔